© rasailojaraid.com

بحث میں ملتی ہے۔لیکن جب برصغیر پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو جانے کے بعد دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا انتظامی و مالیاتی کنٹرول قائم ہونے پر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور اہل علم کے عمومی حلقوں میں اس فتویٰ کو قبول کر لیا گیا جس کے نتیجے میں فرنگی اقتدار کے خلاف مسلح جنگوں کا وسیع سلسلہ شروع ہو گیا تو میری طالب علمانہ رائے میں یہ سارے فقہی مباحث ماضی کا حصہ بن گئے تھے اور اس پورے خطہ کی شرعی حیثیت یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ اس سے قبل اس علاقہ میں مسلمان غالب اور غیر مسلم مغلوب تھے جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری قائم ہونے کے بعد یہ پہلے کے غالب و مغلوب دونوں مغلوب ہو گئے تھے اور دونوں نے مل کر اس نئے غلبہ کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ اب ان کے درمیان غالب اور مغلوب کا تعلق نہیں رہا تھا بلکہ مستقبل کے معاملات میں یہ باہمی شریک کار بن گئے تھے اور اس طرح ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا جسے شرعی اور فقہی حوالہ سے نئی صورتحال کے طور پر دیکھنا ضروری ہے۔ یہ میری طالب علمانہ رائے ہے جس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ جنگ آزادی اور اس کے بعد کے معاملات کے حوالہ سے اس خطہ کے مسلم اور غیر مسلم دونوں باہمی معاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے باہمی معاملات کو ان معاہدات کے دائرہ میں دیکھنا ہو گا جو حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے فتویٰ کے بعد جنگ آزادی میں یہاں کی مسلم اور غیر مسلم اقوام کے درمیان باہمی اشتراک عمل کی صورت میں وجود میں آئے تھے اور یہ عملی اور خاموش معاہدات ہی آئندہ کے سارے معاملات کی بنیاد بنتے ہیں۔

اس پس منظر میں پاکستان بننے کے بعد اس ریاست کے تمام غیر مسلم طبقوں کی حیثیت معاہدین کی بنتی ہے اور ان پر ذمی کا اطلاق درست معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جنگ آزادی اور تحریک پاکستان میں یہ سب باہم شریک کار تھے جبکہ پاکستان کے قیام کے بعد ''دستور پاکستان'' کی صورت میں ہمارے درمیان ایک سماجی معاہدہ تشکیل پا چکا ہے۔ اس لیے جو غیر مسلم حلقے پاکستان کے شہری کے طور پر دستور پاکستان کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی پابندی کا عہد کرتے ہیں، وہ ہمارے معاہدین ہیں اور ان کے ساتھ دستور میں ہمارے جو معاملات طے پائے ہیں، ان کی پابندی کرنا اور دستور کے مطابق وطن عزیز کے غیر مسلم باشندوں کو ان کے حقوق ادا کرنا بلکہ ان کی پاسداری کرنا ہماری قومی اور شرعی ذمہ داری قرار پاتی ہے۔ البتہ قادیانیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کہ وہ اس دستوری معاہدہ کو تسلیم نہیں کر رہے اور اس سے مسلسل انکاری ہیں۔ چنانچہ جب تک وہ ملک کی دیگر غیر مسلم آبادیوں کی طرح دستور پاکستان کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر عملدرآمد کی ضمانت نہیں دیتے، انہیں دوسری غیر مسلم آبادیوں کی طرح برابر کے حقوق نہیں دیے جا سکتے۔

یہ تو ایک مسلم ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کی بات ہے جس کے بارے میں پاکستان کے تناظر میں ہم نے چند گزارشات پیش کی ہیں۔ اب ہم مسئلہ کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں کہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو وہاں کس طرح رہنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ہم اپنی معروضات کو درج ذیل دائروں میں پیش کریں گے:

- امریکہ، برطانیہ اور فرانس سمیت دیگر غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد رہتی ہے جو وہاں ایک معاہدے کے تحت گئے ہیں جس کے ذریعے انہیں وہاں کا ویزا اور رہنے کی اجازت ملی ہے، انہیں اس معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- غیر مسلم ممالک میں رہتے ہوئے اپنے عقیدہ وایمان، شرعی فرائض وواجبات کی ادائیگی اور اپنی اگلی نسل کے ایمان واعمال کی حفاظت کا اہتمام کرنا مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے۔ اس لیے اگر کسی غیر مسلم ماحول میں وہ اپنے دینی فرائض واحکام پر عمل نہیں کر سکتے یا اپنی نئی نسل کے ایمان وعقیدہ اور دین سے وابستگی برقرار رہنے سے مطمئن نہیں ہیں تو ان کا اس ماحول میں رہنے کا شرعی جواز باقی نہیں رہے گا۔

- مسلمانوں کو وہاں کے اجتماعی نظام میں شرکت کے مواقع کو استعمال کرنا چاہیے بلکہ ایسے مواقع تلاش کر کے ان سے استفادہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ اسی صورت میں وہاں کے نظام و ماحول میں مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے باوقار زندگی کی صورتیں مہیا کر سکتے ہیں۔

- ان غیر مسلم ممالک کے قانون ودستور کے دائرے میں رہتے ہوئے اگر اپنے شرعی احکام وقوانین کے نفاذ کے لیے کوئی قانونی سہولت میسر ہو تو اسے ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ جیسا کہ امریکہ، جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک کے دستور وقانون میں مسلمانوں کے لیے نکاح وطلاق اور دیگر خاندانی معاملات میں باہمی تنازعات کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے شرعی عدالتوں کے قیام کی گنجائش موجود ہے اور وہاں کے مسلمان اس سے کسی حد تک استفادہ بھی کر رہے ہیں۔

- اور آخری بات یہ عرض ہے کہ کسی غیر مسلم معاشرہ میں رہنے والے مسلمان وہاں اسلام کے سفیر کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں وہاں کے ماحول کے مطابق اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کوئی مؤثر طریق کار ضرور اختیار کرنا چاہیے۔

تکفیر کی اتھارٹی، علماء یا حکومت؟

ایک سوال ان دنوں کم وبیش ہر جگہ پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ''پیغامِ پاکستان'' کے ذریعے کفر کے فتوے کی اتھارٹی اب حکومت وعدالت کو منتقل ہوگئی ہے؟ اور اگر ایسا ہوگیا ہے تو مفتیان کرام کا اس میں کیا کردار باقی رہ گیا ہے؟

اس سلسلہ میں اپنا ذاتی نقطہ نظر پیش کر رہا ہوں جسے من وعن قبول کرنا ضروری نہیں ہے البتہ اس کے بارے میں اہل علم ودانش سے سنجیدہ توجہ اور غور وخوض کی درخواست ضرور کروں گا۔ یہ سوال اس سے قبل ہمارے سامنے اس وقت بھی آیا تھا جب بنگلہ دیش کی قومی اسمبلی میں یہ تحریک پیش کی گئی تھی کہ بنگلہ دیش میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ وہاں کے قادیانی حلقوں نے بڑے شد ومد کے ساتھ یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا کسی کو مسلمان یا کافر قرار دینا اسمبلیوں کا کام ہوتا ہے یا یہ ذمہ داری اہل علم وفتویٰ کی ہے؟ بنگلہ دیش کے بعض علماء کرام نے سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی سے اس سلسلہ میں رجوع کر کے راہنمائی طلب کی تھی جس پر مولانا چنیوٹی نے بہت سے دیگر علماء کرام کے علاوہ مجھ سے بھی مشورہ کیا تھا اور میری اس گزارش سے اتفاق کیا تھا کہ قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی شرعی حیثیت تو علماء کرام نے واضح کر دی ہے اور سب اہل علم کا اس سے اتفاق ہے، مگر اسے عملی قانون کا حصہ بنانے اور اس کے معاشرتی اطلاق وتنفیذ کے لیے پارلیمنٹ سے مطالبہ کیا جا رہا ہے، کیونکہ کسی معاملہ کے سوسائٹی پر اطلاق اور اس کی عملی تنفیذ کی اتھارٹی بہرحال حکومت وقت کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم نے جب پاکستان کی حکومت اور پارلیمنٹ سے

© rasailojaraid.com